OPEN ACCESS
SUJRIS
﴾ Swat University Journal of Religious & Islamic Studies ﴿
ISSN: 2959-5509
www.sujris.uswat.edu.pk

SUJRIS
Vol.:3, Issue: 1, Jan - June 2025 PP:

اختلاف رائے کے حدود وآداب، اسلاف کا طرزِ عمل اور موجود دور کے تقاضے: ایک تحقیقی جائزہ

Limits and Etiquette of Difference of opinion, Predecessors' Practices and Current Time Demands: A Research Review

Dr. Mufti Muhammad Yahya
Lecturer, Usmania Postgraduate College / Teacher, Jamia Usmania Peshawar
Email: imranjaved189200@gmail.com

Dr. Gulzar Ali
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University, Mardan
Email: gulzar@awkum.edu.pk

Dr. Mufti Maaz Masood
Visiting Lecturer, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University, Mardan
Email: maazmasood567@gmail.com

Abstract

Just as the appearance of a human being, its structure and its organs are different from each other, even the fingerprints of each human being are different from another human being, in the same way, the angles of thinking of humans are also different from each other. In this universe, it is not possible that all human beings have the same thoughts and ideas in all problems and no difference between them. Therefore, while living in this world, there will definitely be differences with each other. So, it is necessary that rules and regulations and manners should be fixed for it, The Islamic Shari'ah has fixed that clearly and the Salaf's gave practical proof by following them. The same regulations, limits and manners are described in this article.

Keywords: *Difference of opinion, Limits and Etiquette, manners, Predecessors.*

تمہید

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا تو جس طرح انسان کی ظاہری شکل و صورت، اس کا ڈھانچہ اور اس کے اعضا ایک دوسرے سے مختلف ہیں حتی کہ نشاناتِ انگشت (Finger print) بھی ہر انسان کے دوسرے انسان سے مختلف ہیں، بالکل اسی طرح انسانوں کی سوچ و فکر کے زاویے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کائنات میں یہ ممکن ہی نہیں کہ سب انسانوں کی سوچ و فکر سب مسائل میں بالکل یکساں ہو اور ان میں کوئی اختلاف ہی نہ ہو۔اس وجہ سے دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے ضرور ایک دوسرے سے اختلاف رہے گا۔ آراء میں اختلاف ہوگا، نظریات میں اختلاف ہوگا حتی کہ عقائد میں بھی اختلاف ایک ناگزیر امر ہے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ [1]

(ترجمہ: اور اگر تمہارا ربّ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے)علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ولا يزال الخلف بين الناس في أديانهم واعتقادات مللهم ونحلهم ومذاهبهم وآرائهم .[2]

ترجمہ: لوگوں کے دین، عقیدہ، ملت، مسلک، مذہب اور رائے میں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہے گا۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پر سب انسان ایک ہی عقیدہ و نظریہ پر متفق نہیں ہو سکتے بلکہ قیامت تک ان کے مابین اختلاف ضرور ہوگا۔اب جب اختلاف ہوگا تو ضروری ہے کہ اس کے لیے اصول وضوابط اور آداب بھی طے ہوں، چنانچہ شریعت اسلامیہ نے اس کے لیے اصول وضوابط طے کیے ہیں اور اسلاف نے اُن پر عمل پیرا ہو کر عملی ثبوت دیا۔

صحابہ کرام کاآپس میں اختلاف

اس امت کی سب سے بزرگ ہستیاں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔اُن کا بھی آپس میں بہت سارے مسائل میں اختلاف رہا مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے رائے طلب کی تو سب کی رائے ایک نہیں تھی، بلکہ مختلف آراء سامنے آئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اِن میں سے ہر ایک کو اس کے قریبی رشتہ دار کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ اس کو قتل کر دے جب کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ ہمارے کام آئے گا اور شاید اِن کو بعد میں ایمان قبول کرنے کی توفیق مل جائے۔[3]

اسی طرح آپ ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد اس میں اختلاف ہوا کہ آپ وفات پا چکے ہیں یا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے گئے ہیں، جب کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 144 پڑھ کر سب کو سمجھایا کہ آپ رحلت فرما چکے ہیں۔[4]

پھر اس میں بھی آراء کا اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کسی نے کہا مسجد میں، کسی نے کہا عام قبرستان میں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض.[5]

(ترجمہ: سب انبیاء کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اُن کی روح قبض ہوئی)

پھر یہ بھی اختلاف ہوا کہ قبر اطہر لحد کی شکل میں ہو یا شق کی صورت میں ؟[6] اور یہ بھی کہ آ قا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کون خلیفہ بنے گا؟ اسی طرح جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع دنوں میں ہی منکرین زکوۃ کا مسئلہ پیش آیا کہ کیا ان کے خلاف جہاد کیا جائے یا نہیں؟ تو اس میں بھی رائے کا اختلاف رونما ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ سارے دین کو مانتے ہیں صرف زکوۃ کا انکار کرتے ہیں لہٰذا اس وجہ سے یہ کافر نہیں ہوئے اور ان کے ساتھ جہاد جائز نہیں ہو گا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ صرف زکوۃ کے انکار سے بھی کافر و مرتد ہو گئے اور فرمایا کہ اونٹ کے عقال کے برابر بھی اگر یہ زکوۃ ادا نہ کریں یعنی زکوۃ کی فرضیت سے انکار کریں تب بھی میں ان سے ضرور قتال کروں گا۔[7] اسی طرح قران کریم کو مصحف کی شکل میں جمع کیا جائے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مصحف کی شکل میں جمع کرنا چاہیے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے شروع میں یہ تھی کہ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں کیسے وہ کام کروں، بعد میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔[8]

اِن چند مثالوں سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ان بزرگان ہستیوں کے مابین اختلاف آیا تو اُن کے بعد بھی امت میں اختلافات رونما ہوتے رہیں گے، لیکن ان اختلافات میں اگر ضوابط وحدود کی رعایت ہو تو یہ انتشار اور نفرت کا باعث نہیں بنیں گے اور باعث رحمت ہوں گے اور اگر اس کی رعایت نہ ہو تو باعثِ فتنہ وانتشار اور زحمت ہوں گے۔

اختلاف کے دائرے

اختلاف کے اصول وآداب سمجھنے سے پہلے اختلاف کی دائرے سمجھنا ضروری ہے۔ اگر اختلاف کے دائرے سمجھ میں نہ آئیں تو افراط و تفریط کے شکار ہونے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن اگر اختلاف کے دائرے سمجھ میں آ جائیں تو پھر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے آداب کی رعایت کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اور پھر اختلاف انتشار وافتراق کا باعث بھی نہیں بنتا، اس لیے اختلاف کے جو دائرے ہیں پہلے ان کو سمجھنا چاہیے۔

پہلا دائرہ:

اختلاف کا جو سب سے بڑا دائرہ ہے وہ اصولی عقائد کا اختلاف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بنیادی عقائد میں اختلاف ہو۔ اس اختلاف کے نتیجے میں دین، مذہب اور ملت الگ ہو جاتا ہے۔ عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ بعث بعد الموت اصولی عقائد ہیں۔ اِن میں اختلاف کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔ یہ اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہوتا ہے۔

دوسرا دائرہ:

اختلاف کا دوسرا دائرہ فروعی عقائد کا دائرہ ہے یعنی عقیدے کے وہ مسائل جو اصولی عقائد کے درجے میں نہیں جیسے رؤیت باری تعالی کا مسئلہ یا تفضیل بین الصحابہ کا مسئلہ یا وزنِ اعمال کا مسئلہ، یہ عقائد کے مسائل ہیں لیکن اصولی عقائد میں سے نہیں، اس لیے اس میں اختلاف کی وجہ سے کفر اور اسلام کا اختلاف لازم نہیں آتا اور اس اختلاف سے ملت اور دین مختلف نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی وجہ سے صرف فرقہ مختلف ہو جاتا ہے، چنانچہ ان عقائد کے اندر اختلاف سے معتزلہ کے راستے الگ ہو جاتے ہیں، خوارج کے راستے الگ ہو جاتے ہیں، روافض کے راستے الگ ہو جاتے ہیں، اسی طرح دیگر 72 فرقے اِسی اختلاف کی بناپر بن جاتے ہیں، جن میں سے اکثر فرقے ایسے ہیں کہ اُن کو کافر نہیں کہا جاسکتا لیکن وہ اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف سے نکل جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، وہ یہی اختلاف تھا کہ وہ مسلمان رہیں گے لیکن مسلمان ہوتے ہوئے ان کے فرقے مختلف ہو گے اور ہم ان تمام فرقوں میں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو اور ان کی فکر کو حق پر سمجھتے ہیں کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما انا علیہ و اصحابی"[9] سے ان کے حق ہونے کی وضاحت فرمائی۔ یہ اختلاف کا دوسرا دائرہ ہوا کہ اگر اس دائرہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو یہ کفر و اسلام کا اختلاف نہیں بلکہ فرقے کا اختلاف ہوتا ہے۔

تیسرا دائرہ:

اختلاف کا تیسرا دائرہ ہے فقہی مسائل کے اندر اختلاف۔ یعنی فروعی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف۔ اس اختلاف کا عقیدے و نظریے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق انسان کی عملی زندگی کے ساتھ ہے لہٰذا اس اختلاف کی وجہ سے اگرچہ فقہی مسلک تبدیل ہو جاتا ہے لیکن فرقہ وہی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب فرقہ تبدیل نہیں ہوتا تو دین و مذہب تو بطریقہ اولی تبدیل نہیں ہوگا۔ اختلاف کے اس دائرہ میں ائمہ اربعہ کا فقہی اختلاف آتا ہے کہ یہ سب حضرات عقیدہ و نظریہ کے اعتبار سے اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، لیکن عملی فروعی مسائل یا بالفاظِ دیگر فقہی مسائل میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ یہ اختلاف کا تیسرا دائرہ ہے جو پہلے دو کی نسبت چھوٹا دائرہ ہے۔اس میں عموماحق و باطل کااختلاف نہیں ہوتابلکہ خطاوصواب کااختلاف ہوتاہے۔علامہ ابن نجیمؒ الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

إذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِينَا فِي الْفُرُوعِ، يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نُجِيبَ بِأَنَّ مَذْهَبَنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبَ مُخَالِفِينَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ... وَإِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خُصُومِنَا فِي الْعَقَائِدِ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نَقُولَ: الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُومُنَا.[10]

یعنی فقہی فرعی مسائل میں ہمارا مذہب صحیح ہے لیکن غلطی کا امکان موجود ہے اور دوسروں کا مذہب غلط ہے لیکن صحت کا امکان موجود ہے۔جب کہ عقیدہ میں بات اٹل ہے کہ ہم حق پر ہیں اور مخالف باطل پر۔

چوتھا دائرہ:

فقہی مسائل میں کبھی توجواز اور عدمِ جواز، یاخطا اور صواب کا اختلاف ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ البتہ کبھی صرف اولی اور غیر اولی کا اختلاف ہوتا ہے مثلاً رفع الیدین کے مسئلے میں جو اختلاف ہے وہ جواز اور عدمِ جواز کا نہیں، بلکہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کااختلاف ہے۔ چنانچہ احناف کے ہاں بھی اگر کسی نے رفع الیدین کیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔اسی طرح امین بالجہر کا مسئلہ بھی ہے۔اولیٰ اور غیر اولیٰ میں اختلاف کا یہ دائرہ پہلے تینوں دائروں سے کہیں چھوٹا دائرہ ہے۔

پانچواں دائرہ:

اختلاف کا ایک دائرہ اور بھی ہے اور وہ دائرہ ہے ذوق کا اختلاف، مثلاً تعلیم و تربیت یا دعوت و تبلیغ کس انداز سے کیا جائے تو زیادہ بہتر و مؤثر ہوگا؟ وعظ و خطابت کے ذریعے کیا جائے یا جماعات اور گشتوں کی شکل میں کیا جائے یا بیعت وارشاد کے ذریعے ؟ دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے یا پھر تصوف اور وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کی اصلاح اچھی طرح ہو سکے گی؟ اس میں اگر کوئی ایک طریقے کو زیادہ بہتر سمجھتا ہے کوئی دوسرے کو، تو یہ ذوق کا اختلاف ہے۔ یہ بہت مختصر دائرے کا اختلاف ہے، جسے محض ذوق اور وجدان کا اختلاف کہہ سکتے ہیں۔ نہ یہ حق و باطل کا اختلاف ہے اور نہ خطا و صواب کا۔ نہ اس سے مذہب و ملت کی

تبدیلی آتی ہے اور نہ فرقہ کی، صرف جماعت کی تبدیلی ہوسکتی ہے۔

فرقِ مراتب کی رعایت

باہمی اختلافات کے اِن مختلف دائروں میں اگر حدود کی رعایت نہ رکھی جائے اور محض اولی وغیر اولی، یا ذوق وجدان، یا خطا وصواب کے اختلاف میں حق و باطل کے اختلاف کا رویہ اپنایا جائے، ایک دوسرے کی مخالفت اور ایک دوسرے کے خلاف حجت بازی میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے تو یہ صحیح طرزِ عمل نہیں، یہ حدود سے تجاوز ہے اور جب بھی حدود سے تجاوز ہوگا تو اس کے نتائج مثبت نہیں ہوں گے۔ اسلاف نے یہی طرزِ عمل اپنایا۔ اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر کوئی اختلاف کر رہا ہے تو وہ کس دائرے کا اختلاف ہے اور پھر اسی کے مطابق اس کے ساتھ نمٹا جائے۔ اگر کسی کے ساتھ ذوق کا یا اولی وغیر اولی کا اختلاف ہو اور وہاں پر طرفین اپنی تلواریں نیام سے باہر کریں اور سخت و تند لہجہ اپنائیں اور گرما گرم مباحث چھیڑیں اور خطابت کا زور دکھائیں تو یقینا یہ انصاف کا تقاضا نہیں اور نہ اس کے مثبت نتائج نکل سکتے ہیں۔ اس لیے ہر عقل مند اور ذی شعور انسان بالخصوص ہر عالم فاضل کا اور ہر طالب علم کا فریضہ ہے کہ اختلاف کو حدود میں رکھے اور آداب کا خیال رکھے۔

آدابِ اختلاف

اختلاف رائے کے دائرے اور حدود سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کرتے وقت کن کن آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے:

پہلا ادب: مہذب وشائستہ لہجہ

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اظہارِ اختلاف میں مہذب، شائستہ، نرم اور اخلاق سے بھرپور رویہ اپنایا جائے۔ چاہے وہ تحریر ہو یا تقریر ہو یا بالمشافہ بحث و مباحثہ، بہر حال نصیحت اور خیر خواہی سے بھرپور نرم لہجہ اپنایا جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے مقابلے میں بھیجا تو ادب سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى [11]

(ترجمہ: تم دونوں اُس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے) فرعون جو "انا ربکم الاعلی" کا مدعی تھا اس کے مقابلے میں جانے والے کو یہ آداب اللہ تعالیٰ نے سکھائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

وقُوْلُوا للناس حُسْنا[12]

(اور لوگوں سے خوبصورت بات کہنا) یہ دونوں آیاتِ کریمہ کو پیش نظر رکھ کر جب نرم و شائستہ انداز سے کسی کے ساتھ گفتگو کی جائے گی تو وہ بات سنے گا، بات کرنے والے کو اپنا ہمدرد سمجھے گا، اس کو اپنا حاسد اور دشمن نہیں سمجھے گا، اور نتیجتًا وہ ٹھنڈے دِل سے بات پر غور کرے گا اور یوں متنازعہ و مختلف فیہ مسائل میں اس کی اصلاح ممکن ہوسکے گی لیکن اگر انداز ہی ایسا جارحانہ اپنایا جائے یا ایسے الفاظ اختیار کیے جائیں جو جذبات کو ابھارنے والے ہوں تو پھر اصلاح ہرگز نہیں ہوسکے گی بلکہ الٹا اس سے مزید اختلاف اور انتشار پھیلے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن الرفق لا يكون في شيءٍ إلا زانه، ولا ينزع من شيءٍ إلا شانه"[13]

یعنی نرمی جس چیز میں بھی آجائے اس کو مزین کر دیتی ہے اور نرمی جس چیز سے بھی نکل جائے اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔ لہٰذا کوئی فرد آپ کا کتنا بھی بڑا دشمن کیوں نہ ہو آپ نرم و میٹھے لہجے میں اس سے بات کریں گے تو وہ آپ کی بات سننے اور اس پر غور کرنے پر مجبور ہو گا۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ آج سے تقریباً تیس پینتیس سال پہلے کی بات ہے، میں اس وقت دار العلوم کراچی سے نیا نیا فارغ ہوا تھا، اس وقت ایوب خان صاحب مرحوم کے دور میں عائلی قوانین نافذ ہوئے تھے، ان کے خلاف میں نے ایک کتاب لکھی، جن لوگوں نے ان قوانین کی حمایت کی تھی، ان کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس کتاب میں جگہ جگہ طنز کا انداز اختیار کیا تھا، اس وقت چونکہ مضمون نگاری کا شوق تھا، اس شوق میں بہت سے طنزیہ جملے اور طنزیہ فقرے لکھے اور اس پر بڑی خوشی ہوتی تھی کہ یہ بڑا اچھا جملہ چست کر دیا، جب وہ کتاب مکمل ہو گئی تو میں نے وہ کتاب حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو سنائی، تقریباً دو سو صفحات کی کتاب تھی۔ جب والد صاحب پوری کتاب سن چکے تو فرمایا یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس مقصد کے لیے لکھی ہے؟ اگر اس مقصد سے لکھی ہے کہ جو لوگ پہلے سے تمہارے ہم خیال ہیں وہ تمہاری اس کتاب کی تعریف کریں کہ واہ واہ! کیسا دندان شکن جواب دیا ہے اور یہ تعریف کریں کہ مضمون نگاری کے اعتبار سے اور انشا اور بلاغت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ درجے کی کتاب لکھی ہے، اگر اس کتاب کے لکھنے کا یہ منشا ہے تو تمہاری یہ کتاب بہترین ہے، لیکن اس صورت میں یہ دیکھ لیں کہ اس کتاب کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہو گی؟ اور اگر کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی غلطی پر ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے اس کی اصلاح ہو جائے تو یاد رکھو! تمہاری اس کتاب کے پڑھنے سے ایسے آدمی کی اصلاح نہیں ہو گی، بلکہ اس کتاب کو پڑھنے سے اس کے دل میں اور ضد پیدا ہو گی، دیکھو! حضرات انبیا علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، انہوں نے دین کی دعوت دی اور کفر اور شرک کا مقابلہ کیا، لیکن ان میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے طنز کا راستہ اختیار کیا ہو، لہٰذا یہ دیکھ لو کہ یہ کتاب اللہ کے واسطے لکھی ہے یا مخلوق کے واسطے لکھی ہے، اگر اللہ کے واسطے لکھی ہے تو پھر اس کتاب سے اس طنز کو نکالنا ہو گا اور اس کا طرز تحریر بدلنا ہو گا۔ مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحبؒ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر پر پہاڑ توڑ دیا، کیونکہ دو سو ڈھائی سو صفحات کی کتاب لکھنے کے بعد اس کو از سر نو ادھیڑنا بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ مضمون نگاری کا بھی شوق تھا اور اس کتاب میں بڑے مزیدار فقرے بھی تھے، ان فقروں کو نکالتے بھی دل کٹتا تھا، لیکن یہ حضرت والد ماجدؒ کا فیض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے پھر پوری کتاب کو ادھیڑا اور از سر نو اس کو لکھا، پھر الحمد للہ وہ کتاب "ہمارے عائلی قوانین" کے نام سے چھپی، لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، الحمد للہ! یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ ایک داعی حق کے لیے طنز کا طریقہ اور طعنہ دینے کا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، یہ انبیا کا طریقہ نہیں ہے۔[14]

دوسرا ادب: اختلاف باعثِ نفرت نہ بنے

دوسرا ادب یہ ہے کہ اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی بھائی چارے کو قائم رکھا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی دوست، رشتہ دار یا پڑوسی سے کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے اور اس اختلاف کی وجہ سے اس سے نفرت ہو جائے، یا اس کو دشمنی میں تبدیل کر

دیا جائے۔ آج کل چھوٹے چھوٹے سیاسی، سماجی یا خاندانی مسائل پر اختلافِ رائے خطرناک حد تک دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ ایک بھائی ایک سیاسی پارٹی کے ساتھ ہے اور دوسرا دوسری پارٹی کے ساتھ تو وہ اس سیاسی اختلاف کو دُشمنی سمجھ بیٹھے ہیں، چنانچہ ایک دوسرے کے ساتھ غمی خوشی میں بھی بیٹھنا ترک کر دیتے ہیں۔ یہ حدود سے تجاوز ہے کیونکہ یہ تو فقط ذوق کا ہی اختلاف ہے، اس کو حق و باطل اور ایمان و کفر کا اختلاف بنا دینا حدود سے تجاوز ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرتبہ ایک عالم یونس الصدفی کے ساتھ کسی مسئلے میں علمی اختلاف ہوا اور بہت دیر تک دلائل کا تبادلہ ہوا اور جب اس بات کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اس علمی اختلاف اور تبادلہء دلائل کی وجہ سے دلوں میں کہیں کوئی برا خیال پیدا نہ ہو جائے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

" يا أبا موسى ألا يستقيم أن نكون إخواناً وإنْ لم نتفق في مسألة[15]"

یعنی کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ اگرچہ ہم ایک مسئلے میں اتفاق نہیں کر پائے، میں آپ کے دلائل سے اور آپ میرے دلائل سے مطمئن نہ ہوئے لیکن اس کے باوجود ہم بھائی بھائی رہیں اور ہم اپنا بھائی چارہ نہ چھوڑیں؟

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگردوں نے بہت سارے مسائل میں اختلاف کیا، لیکن اس اختلاف کے باوجود وہ شاگرد رہے اور امام صاحب استاد، ان کے اس رشتے پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے بارے میں کئی فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات خود اسی درجے کے مجتہد تھے جس درجے کے امام صاحب تھے[16]، اور جس درجہ کے مجتہد امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام سفیان ثوری، امام حسن بصری اور امام ابن سیرین رحمھم اللہ تھے، لیکن انہوں نے احترامِ استاد کی وجہ سے اپنے مذاہب کو الگ مدون نہیں کیا بلکہ اپنے استاد ہی کے مذہب کو مدوّن کیا البتہ بتقاضائے دیانت جہاں جہاں ان کی رائے کا اختلاف تھا، اس کو درج کیا۔ یہ ایک بہترین مثال ہے کہ اختلاف اپنی جگہ رہے لیکن اختلاف کو دشمنی کا باعث نہ بنایا جائے اور اس کی وجہ سے تعلق اور بھائی چارے کو نہ توڑا جائے۔

تیسرا ادب: دوسرے کے حقِ اختلاف کو تسلیم کرنا

اختلاف کا تیسرا ادب یہ ہے کہ آدمی ذہنی اور فکری طور پر دوسرے کے حقِ اختلاف کو تسلیم کرے یعنی جب وہ اپنے لئے اختلاف کا حق مان کر دوسرے کے ساتھ اختلاف کرتا ہے تو وہ پھر دوسرے کے اختلاف کے حق کو بھی تسلیم کرے اور یہ جان لے کہ اگر کوئی میرے ساتھ اختلاف کرتا ہے تو یہ میری توہین نہیں اور نہ یہ میری شان کے خلاف ہے۔ کتبِ احادیث میں مذکور ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے جنازہ پڑھانے کا موقع آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھانا چاہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا، لیکن اس اختلاف رائے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے، آپ کی صحابیت سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے خارج نہیں کر دیے گئے[17]۔ معلوم ہوا کہ دوسرے کے اختلاف کے حق کو تسلیم کیا جائے۔ اسی حقِ اختلاف کے تسلیم کرنے سے بہت سارے جھگڑے اور اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔

چوتھا ادب: حدود کی رعایت

چوتھا ادب یہ ہے کہ اختلاف رائے میں حدود سے تجاوز نہ ہو۔ اختلاف کا جو دائرہ ہے اسی دائرے کے مناسب اختلاف

رکھا جائے۔ کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں حق و باطل کے اختلاف کی طرز پر مناظرے اور دلائل کے انبار لگانا، کتابوں پر کتابیں لکھنا مناسب طرزِ عمل نہیں۔ متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی حکومت تھی تو آمین بالجہر اور امین بالسر کے مسئلے میں دو گروہوں کا اختلاف ہوا اور اختلاف اس حد تک بڑھا کہ ایک دوسرے کے خلاف بندوقیں اٹھائی گئیں۔ جب بدامنی کی فضا پیدا ہوئی تو یہ مسئلہ عدالت میں پہنچا۔ اس وقت کوئی انگریز جج تعینات تھا، اس نے دونوں فریقوں کے موقف اور علمی دلائل کو سنا، فریقین نے تحریری صورت میں بھی اپنے دلائل پیش کئے، آخر میں انگریز جج نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آمین کی تین قسمیں ہیں: ایک ہے آمین بالجہر، دوسرا ہے آمین بالسر اور تیسرا ہے آمین بالشر۔ آمین بالجہر کے دلائل بھی موجود ہیں اور آمین بالسر کے دلائل بھی موجود ہیں اس لیے یہ دونوں درست ہیں، لیکن آمین بالشر کی کوئی دلیل موجود نہیں، اور تم دونوں فریق اس وقت آمین بالشر کے حدود میں داخل ہو چکے ہو"[18] معلوم ہوا کہ اگر آمین بالجہر اور آمین بالسر کے اختلاف میں بات شر کی طرف چلی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔

پانچواں ادب: حق واضح ہونے پر اپنی غلطی تسلیم کرنا

پانچواں ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کے ساتھ بحث کرے اور اس کو اپنی رائے میں غلطی نظر آ جائے، تو فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لے۔ اگر اس وقت اپنی غلطی کو تسلیم نہ کیا جائے تو کبھی بات بہت خطرناک حد تک چلی جاتی ہے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور زیادہ مقدار میں مہر مقرر کرنے سے منع کر رہے تھے، ایک عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا[19]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر فرمایا کہ سب لوگ عمر سے بڑھ کر سمجھدار ہیں، یہاں تک کہ عورتیں بھی عمر سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔[20]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سارے مسائل میں رجوع کیا۔ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں بہت ساری جگہوں پر امام صاحب کا اپنے اقوال سے رجوع موجود ہے۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے پورے مذہب پر نظر ثانی کی۔ انہوں نے شروع میں بغداد میں اپنا مذہب مرتب کیا اور پھر مصر تشریف لے گئے تو وہاں اپنے پورے مذہب پر نظر ثانی کی اور اس کے نتیجے میں بہت سارے اقوال تبدیل کر دیے اس لیے فقہ شافعی کی کتابوں میں قول جدید اور قول قدیم الگ الگ ملتے ہیں۔ یہ اقوال اسی نظر ثانی پر مبنی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب مرحوم سے حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی احمد رضا خاں صاحب کے رسائل آیا کرتے ہیں کہیں سے سناؤ تو کوئی حق بات اگر اس میں ہو گی تو مان لیں گے۔ مولوی یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہی گالیاں ہیں فرمایا کہ دور کی گالیاں لگا نہیں کرتیں، سناؤ۔[21]

چھٹا ادب: کبر و غرور سے اجتناب

چھٹا ادب یہ ہے کہ اختلاف رائے کی وجہ سے آدمی تکبر اور عجب کا شکار نہ ہو جائے۔ تکبر تو بہر حال اللہ تعالی کو ناپسند ہے لیکن جو تکبر علم کے نتیجے میں پیدا ہو جائے وہ شرّ انواع الکبر یعنی تکبر کی بدترین قسم ہے۔ کیونکہ علم تو انسان کو عجز سکھاتا ہے،

علم کا تقاضا تو یہ ہے کہ عالم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہو کہ

"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"[22]

(ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں)۔ عالم میں خشیت وتواضع ہونی چاہیے، اس لیے کبھی بھی اختلاف رائے کی وجہ سے خود کو بڑا نہیں سمجھنا چاہیے اور عجب اور تکبر جیسے موذی بیماریوں سے خود کو دور ہی رکھنا چاہیے۔

ساتواں ادب: مخالف کی غیبت اور بہتان طرازی سے اجتناب

ساتواں ادب یہ ہے کہ آدمی اختلاف تو کرے لیکن اختلاف کی وجہ سے اپنے مخالف کی غیبت اور بہتان کو جائز نہ سمجھے۔ کسی کے ساتھ اختلاف ہو جائے، چاہے سیاسی مسئلہ ہو یا علمی مسئلے ہو یا کسی اور نوعیت کا اختلافی مسئلہ ہو تو مخالف کی غیبت کو جائز سمجھا جاتا ہے بلکہ اس پر بہتان لگانے کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے، اس کے بارے میں سنی سنائی باتوں کی تشہیر محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ یہ روش نہایت غلط ہے غیبت اور بہتان بہر حال ناجائز ہے، چاہے وہ بندہ کسی مسئلے میں مخالف ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح مخالف کا تمسخراور اس کی استہزاء کرنا بھی ناجائز ہے۔ گستاخی اور استہزا کرنا دراصل جہالت کی علامت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو نصیحت کی اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا اگر بقرہ (گائے) ذبح کر کے اس کا گوشت اس سے چھو دیا جائے۔ تو اس پر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ

" أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا"

کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

"أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ[23]"

اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔ یعنی دل لگی اور تمسخر کرنا جاہلوں کا کام ہے، عالموں کو مناسب نہیں کہ تمسخر کریں اس لیے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ رائے کا اختلاف رکھنے والے کسی عالم کی بے ادبی وگستاخی جائز نہیں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب اکابر علمائے دیوبند کو کافر کہتے تھے۔ ان کو مرزا قادیانی کے برابر کافر سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ان کا نام مولانا احمد رضا خان صاحب لکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا تھانوی کی مجلس میں کسی نے صرف احمد رضا خان کہہ کران کو یاد کیا تو اس پر مولانا تھانویؒ غصہ ہوئے۔ فرمایا ہمارا اختلاف اپنی جگہ لیکن تمہیں اس کی اجازت کس نے دی کہ تم منصب کی توہین کرو۔[24]

مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کے پوتے مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر حضرت کا دہلی میں قیام تھا، حضرت کے شاگردوں میں سے چند مخصوص حضرات ساتھ تھے. حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا احمد حسن امروہی، حاجی امیر شاہ خاں صاحب وغیرہ بھی موجود تھے. مولانا احمد حسن صاحب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھئی، لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں ان کی قرات بہت اچھی ہے، کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں گے۔ یہ سن کر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے غصے میں آکر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم کیسے اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ یہ جملے حضرت نانوتویؒ کے کان میں پہنچے۔ اگلے دن حضرت نانوتویؒ خود ان سب شاگردوں کو لے کر اسی

مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے پہنچے۔ اس امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد نمازیوں نے دیکھا کہ یہ اجنبی ہیں اور علماء کی صورت ہے تو پوچھا کون ہیں؟ معلوم ہوا یہ مولانا محمد قاسم صاحب ہیں اور وہ ان کے شاگرد مولانا محمود حسن اور یہ مولانا احمد حسن محدث امروہی ان کے تلمیذ ہیں۔ اس امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن انہیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لئے میرے پیچھے آگئے۔ امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا کہ حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا میں آج شرمندہ ہوں آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر ہے کیونکہ آپ کو جو روایت پہنچی ہے کہ میں توہین رسول کرتا ہوں تو آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضا تھا کہ جو آپ نے کیا، ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ مگر بہر حال تکفیر کی بنیاد توہین رسول ہے اور توہین رسول جو مسلمان کرے گا اس کی تکفیر واجب ہو گی تو اس لیے میرے دل میں آپ کی غیرت ایمانی کی قدر ہے۔ ہاں شکایت اس لئے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط، تو آج میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے۔ اور میں خود اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنی درجہ میں بھی نبی ﷺ کی توہین کرے اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں اشهد ان لا اله الا الله واشهدان محمد عبده ورسوله یہ سن کر امام بیچارے نے معافی مانگی۔[25]

نتائج البحث:

اس تحقیق سے درجہ ذیل نتائج حاصل ہو جاتے ہیں:

1. اختلاف انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لیے انسانی معاشرہ میں اختلاف ضرور رہے گا۔
2. صحابہ کرام اور آئمہ کرام میں بھی رائے کا اختلاف ہوا اس لیے اختلاف بذاتِ خود مذموم نہیں۔
3. اختلاف کے مختلف دائرے ہیں اور ہر دائرے کے اپنے تقاضے ہیں۔
4. اختلاف میں حدود کی رعایت ہو تو وہ انتشار اور فتنے کا باعث نہیں بنتا لیکن اگر حدود کی رعایت نہ ہو تو معاشرے میں فتنے پھیل جاتے ہیں۔
5. اسلاف نے اپنے قول و عمل سے اختلاف کے آداب سکھائے، اُن آداب کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔
6. آداب کی رعایت کے ساتھ اختلاف باعثِ رحمت ہے ورنہ باعثِ زحمت۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

[1] سورۃ ھود: 118

2 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، الریاض، السعودیۃ(1999ء) ج4ص361:
3 احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ(2001ء) ج21ص180، رقم الحدیث: 13555
4 عبد الملک بن ہشام، سیرۃ ابن ہشام، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی واولادہ بمصر (1955ء) ج2ص655
5 محمد بن عیسی الترمذی، سنن الترمذی، دار الغرب الاسلامی، بیروت (1996ء) ج2ص328، رقم الحدیث1018
6 علی بن إبراہیم بن إحمد الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت (1427ء) ج3ص516
7 محمد بن إسماعیل البخاری، صحیح البخاری، دار ابن کثیر دمشق (1993ء) رقم الحدیث: 1399
8 صحیح البخاری: رقم الحدیث4679
9 سنن الترمذی: رقم الحدیث2641
10 ابن نجیم المصری، الأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ، دار الکتب العلمیۃ بیروت (1999ء): ص330
11 طٰہ 44
12 البقرۃ83
13 مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث بیروت، ج4ص2004، رقم الحدیث: 2594
14 محمد تقی عثمانی، اصلاحی خطبات، میمن پبلشرز، کراچی، ج۱۱، ص۹۷
15 الذہبی، سیر إعلام النبلاء، دار الحدیث، القاہرۃ مصر (2006ء): ج8ص240
16 إسباب إختلاف الفقہاء: 269
17 صحیح مسلم، رقم الحدیث2774
18 اشرف علی تھانوی، ملفوظات حکیم الامت، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان: ج4 ملفوظ نمبر408
19 النساء20
20 تفسیر القرآن العظیم، ج1، ص442
21 ملفوظات حکیم الامت، ج1 ملفوظ نمبر247
22 الفاطر28
23 البقرۃ67
24 ماہنامہ الشریعۃ اکتوبر2001
25 محمد طیب قاسمی، خطبات حکیم الاسلام ج2ص25

1. *Sūrah Hūd, 11:118*
2. *Ibn Kathīr, Tafsīr al-Qur'ān al-'Aẓīm, Dār Ṭayyibah li al-Nashr wa al-Tawzī', Riyadh, Saudi Arabia, 1999, vol. 4, p. 361*
3. *Aḥmad ibn Ḥanbal, Musnad Aḥmad ibn Ḥanbal, Mu'assasat al-Risālah, 2001, vol. 21, p. 180, ḥadīth no. 13555*
4. *'Abd al-Malik ibn Hishām, Sīrah Ibn Hishām, Sharikat Maktabat wa Maṭba'at Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī wa Awlādihi, Egypt, 1955, vol. 2, p. 655*
5. *Muḥammad ibn 'Īsā al-Tirmidhī, Sunan al-Tirmidhī, Dār al-Gharb al-Islāmī, Beirut, 1996, vol. 2, p. 328, ḥadīth no. 1018*
6. *'Alī ibn Ibrāhīm al-Ḥalabī, Al-Sīrah al-Ḥalabiyyah, Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah,*

Beirut, 1427 AH, vol. 3, p. 516

7. *Muḥammad ibn Ismā'īl al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Dār Ibn Kathīr, Damascus, 1993, ḥadīth no. 1399*
8. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, ḥadīth no. 4679*
9. *Sunan al-Tirmidhī, ḥadīth no. 2641*
10. *Ibn Nujaym al-Miṣrī, Al-Ashbāh wa al-Naẓā'ir 'alā Madhhab Abī Ḥanīfah al-Nu'mān, Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut, 1999, p. 330*
11. *Ṭā Hā, 20:44*
12. *Al-Baqarah, 2:83*
13. *Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī, Ṣaḥīḥ Muslim, Dār Iḥyā' al-Turāth, Beirut, vol. 4, p. 2004, ḥadīth no. 2594*
14. *Muḥammad Taqī 'Uthmānī, Iṣlāḥī Khuṭbāt, Memon Publishers, Karachi, vol. 11, p. 97*
15. *Al-Dhahabī, Siyar A'lam al-Nubalā', Dār al-Ḥadīth, Cairo, Egypt, 2006, vol. 8, p. 240*
16. *Asbāb Ikhtilāf al-Fuqahā', p. 269*
17. *Ṣaḥīḥ Muslim, ḥadīth no. 2774*
18. *Ashraf 'Alī Thānvī, Malfūẓāt Ḥakīm al-Ummah, Idārat Ta'līfāt Ashrafiyyah, Multan, vol. 4, Malfūẓ no. 408*
19. *Al-Nisā', 4:20*
20. *Tafsīr al-Qur'ān al-'Aẓīm, vol. 1, p. 442*
21. *Malfūẓāt Ḥakīm al-Ummah, vol. 1, Malfūẓ no. 247*
22. *Al-Fāṭir, 35:28*
23. *Al-Baqarah, 2:67*
24. *Māhnāmah al-Sharī'ah, October 2001 issue*
25. *Muḥammad Ṭayyib Qāsmī, Khuṭbāt Ḥakīm al-Islām, vol. 2, p. 25*